Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 38, Sr.No.106, 2017 pp 95 - 104

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیۂ علوم شرقیہ
جلد ۳۸، جنوری۔ مارچ ۲۰۱۷ء، شمارہ ۱۰۶

اردو ناول کا دیہی منظر نامہ اور عورت

ڈاکٹر غلام عباس ☆ آمنہ بتول ☆☆

Abstract:

Women has a vital role in human society. Women are playing important tasks all over the world. Despite of the facts, women are still facing unfavourable environment especially in our rural areas. This situation reveals that woman of our society has limited opportunities to move forward. Although overall circumstances are changing with the passage of time, but there is much to do, particularly in rural areas for acceleration of woman role.

Keywords: اردو ناول، افسانوی ادب، پنجاب، پاکستان، دیہی معاشرت، جاگیردار

افسانوی ادب میں معاشرتی صورت حال کے متوازی ایک ایسی دنیا تخلیق ہوتی ہے جس میں افسانویت کے پردے میں وہ حقیقت منعکس ہو جاتی ہے جو بے حد اہم ہونے کے باوصف نظر انداز کی گئی ہوتی ہے۔ ایسی ہی ایک حقیقت عورت ہے اور خاص کر پاکستانی معاشرے کی دیہاتی عورت۔ عورت معاشرے کا ایک لازمی جز ہے جس کے بغیر نہ تو خاندانی نظام چل سکتا ہے اور نہ ہی معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ خصوصاً ہمارے دیہی معاشرے میں عورت کو وہ مقام اور مرتبہ حاصل نہیں ہے جس کی وہ اصل حقدار ہے اور المیہ یہ ہے کہ دورِ حاضر کے ترقی یافتہ دور میں بھی عورت کے حقوق کا استحصال اِسی طرح سے کیا جا رہا ہے جیسا آج سے برسوں پہلے کیا جاتا تھا۔ پنجاب کی دیہی عورت چاہے اس کا تعلق عام متوسط گھرانے سے ہے یا وہ جاگیردارانہ نظام سے تعلق رکھتی ہے۔ مختلف مسائل اور مشکلات کی چکی میں پس رہی ہے۔ وہ ظلم برداشت کرنے پر مجبور ہے اس لیے کیونکہ جس احساس تحفظ اور عزت نفس کی ضرورت اسے ہے وہ معاشرے میں ناپید ہے۔ اس سے بڑھ کر المیہ کیا ہوگا کہ ہم ایسے معاشرے میں زندگی بسر کر رہے ہیں جو تضادات اور دوسرے معیارات کے گھٹے ہوئے نظام کی پرورش کر رہا ہے۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر اردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا
☆☆ ریسرچ سکالر (اردو) سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

اردو ناول میں یہ عورت متفرق انداز میں اپنا عکس بھی ظاہر کرتی ہے اور صنفی حساسیت کے حامل معاشرے کے اجتماعی رویوں کو بھی۔ لیکن سب سے پہلے برصغیر کی قدیم تہذیبی تاریخ میں عورت کے تصور اور منصب کی جھلک دیکھئے جب یہاں مادر سری نظام رائج تھا۔ عورت کو مرد کی نسبت زیادہ مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ گھر کے سارے اہم فیصلے عورت کرتی تھی کیونکہ خیال یہ تھا کہ عورت کو زیادہ سمجھ بوجھ سے نوازا گیا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ عورت کی وجہ سے انسانی نسل کا سلسلہ چلتا ہے گویا عورت بقائے نسل کی ضامن ہے۔ اس لیے مرد کی نسبت اس کا مقام و مرتبہ بلند ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے اپنے ناول ''بہاؤ'' میں اس کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے:

''ماتا نے عورت ذات کو زیادہ زور دیا ہے، زیادہ بوجھ دی ہے مہامیا بھی تو عورت ہے۔
......مرد ذات کا کیا ہے چھوٹے اور نیچے کام کرنا یا......بیج ڈالنا بس............'' (۱)

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عورت کا سماجی صنفی تصور، منصب اور مرتبہ تبدیل ہوا۔ عورت کے حق میں یہ تبدیلی منفی اور مرداساس تھی۔ عورت کی حیثیت کم تر ہوتی گئی اور مرد طاقت ور ہوتے ہوتے حکمرانی کرنے لگا۔ دورِ حاضر کے ترقی یافتہ زمانے میں جب ہم پنجاب کے دیہی علاقے میں عورت کی حیثیت اور مقام و مرتبہ کا تعین کرتے ہیں تو عورت کا استحصال اُسی طرح سے کیا جارہا ہے جیسا کہ آج سے چند سال پہلے کیا جاتا تھا۔ عورت چاہے وہ عام عورت ہے یا جاگیردار کے گھر کی، مختلف مسائل اور مشکلات کی چکی میں پس رہی ہے۔ وہ عادات و خصائل جو دیہی مرد کی شان اور آن سمجھی جاتی ہیں عورت میں پائی جائیں تو بدکرداری کا الزام تو لگتا ہی ہے بلکہ غیرت کے نام پر قتل کر دینا ایک عام سی بات سمجھی جاتی ہے۔ ''بارش'' میں محمد الیاس نے اسی رویے کی عکاسی کی ہے۔

''جس طرح آبائی علاقے میں عورت اور مرد کو غیرت کے نام پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ قاتل فخر سے سینہ پھلا کر چلتا ہے۔ کیا غیرت صرف عورت کے معاملے میں جاگتی ہے؟ مرد کے ساتھ مرد کو دیکھ کر تو عزت تڑپ اُٹھنی چاہیے یہ کیسا منافق اور بے حیا اور جھوٹا معاشرہ ہے جس کو صرف اپنے سے کمزور پر غصہ آتا ہے۔ عورت کو قتل کر کے بھڑکیں مارنے والا نامردوں کا مکروہ معاشرہ۔'' (۲)

اس میں اگرچہ کرافٹ کے اعتبار سے یہ کمزوری واقع ہوئی کہ مصنف کا مؤقف ایک واضح سوال کی شکل میں متن کی سطح پر نمودار ہو گیا ہے مگر مرد کی مردانگی کے معیار اور تفاخر کے انداز معاشرتی صورت حال کی عکاسی کرتے ہیں۔ مرد کا عورت پر ہاتھ اٹھانا مرد کی شان سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیہی عورت ہر روز پٹتی ہے اور پھر اسی شخص کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہے کیونکہ میکے کی طرف سے اس کو کوئی مدد حاصل نہیں ہوتی۔ بیاہ کر جب سسرال آتی ہے تو ماں باپ کی یہ نصیحت پلو میں باندھ کر آتی ہے کہ اب اس

گھر سے تمہارا جنازہ ہی نکلے۔ عورت کے آئے روز مار کھانے کے حوالے سے سید شبیر حسین ''جھوک سیال'' میں لکھتے ہیں:

''عورت کا پیٹنا دیہاتی زندگی میں نہایت ہی معمولی واقعہ ہے ہر مرد کو پورا احساس ہوتا ہے کہ اگر خاوند وقتاً فوقتاً اپنی بیوی کی پٹائی نہ کرے تو اس کی مردانگی پر حرف آتا ہے۔ ہمسائے سمجھتے ہیں اگر سال میں آٹھ بار بیوی کی مرمت نہ ہو تو میاں بیوی کے باہمی تعلقات زیادہ خوشگوار نہیں ہیں۔''(۳)

اسی طرح:

''اب دو سال کے بعد میرا ماں پیو جایا اکلوتا بھائی آیا ہے تو تجھے سول پڑنے لگ گیا ہے۔ زبان سے ایک لفظ بھی نکال کر دیکھ نمک مرچ گھوٹنے والے ڈنڈے سے تیری ہڈیاں چور نہ کردیں تو میرا نام بھی خانوں نہیں۔''(۴)

پریشر ککر میں صدیق سالک عورت کی بے بسی کی تصویر کچھ اس طرح کھینچتے ہیں:

''لیکن وہ صابر عورت تھی۔ ہر رنج پی گئی۔ خاموشی سے ہر ستم سہ گئی اور کسی سے کچھ کہے سنے بغیر واپس چک نمبر ۲۳۰ چلی گئی کیونکہ اس نے شادی کے وقت اپنی مرحوم ماں سے آخری نصیحت یہی سنی تھی کہ ''بیٹی اب تیرا گھر چک نمبر ۲۳۰ ہے تیرا جینا، تیرا مرنا ان کے ساتھ ہے یہاں آنا تو خوشی خوشی آنا اپنے غم، اپنے بوجھ برساتی نالے کے اس پار ہی چھوڑ آنا جا اللہ تیرا ولی ہو۔''(۵)

طلاق کا حق اگرچہ عورت کو شریعت نے دیا ہے کہ اگر دونوں فریقین باہمی ہنسی خوشی وقت نہیں گزار سکتے تو وہ الگ ہو جائیں لیکن دیہاتوں میں عورت کا طلاق لینا یا مانگنا یا مرد کا بھی طلاق دینا انتہائی معیوب فعل سمجھا جاتا ہے۔ چاہے وہ طلاق عام گھرانے کی عورت کی ہو یا جاگیردارانہ نظام میں پلی بڑھی عورت۔ طلاق یافتہ عورت کا دیہی معاشرے میں زندگی گزارنا عذاب ہو جاتا ہے۔ اس کو لوگوں اور خاندان کی جانب سے طرح طرح کے طنز و تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

''کوئی مرد نکاح ہوتے ہی دُلہن کے گھر میں طلاق دے ڈالے اور اکیلا واپس چلا جائے یا سو سال کی عمر میں اسی سال بیوی کے ساتھ گزار کر طلاق دے اثر ایک ہی جیسا ہوتا ہے۔ بیوی اسی وقت فارغ۔ بیوی خواہ بادشاہ کی بیٹی کیوں نہ ہو۔ ساری شوخی ایک سکنٹ (سیکنڈ) میں گھُمر جاتی ہے۔ اس معاملے میں ساری عورتوں کی اوقات برابر ہو جاتی ہے۔ محمد بوٹا کی بیٹی ہو یا صدر جنرل ایوب کی بیٹی۔''(۶)

شریعت نے مردوں کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے اور جاگیردارانہ نظام میں اس حق کا خوب

استعمال کیا جاتا ہے۔ مرد چاہے تو چار شادیاں کرے اور چاہے ناجائز جسمانی تعلقات استوار کرے لیکن اس کے باوجود اصل اہمیت اور حیثیت صرف خاندانی بیوی کو حاصل ہوتی ہے جس کو وہ تمام زمانے کے سامنے بیاہ کر لاتا ہے۔ باقی شادیوں کی کوئی سماجی حیثیت نہیں ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاندانی بیوی کو نہ تو طلاق دی جاتی ہے اور نہ ہی باقی شادیوں سے اس کی حیثیت یا اہمیت میں کوئی کمی آتی ہے۔ گویا یہ شادیاں محض جسمانی تسکین کا ایک ذریعہ ہوتی ہیں اس لیے جب چاہا پاس رکھ لیا جب جی بھر گیا تو طلاق دے دی۔

''بالکل ہی احمق ہو تم اصل میں مخدوم زادے ہوناں۔ اصلی سردار نہیں ورنہ ایسی بات نہ کرتے اس خاندان میں حسبی نسبی بیویوں کو طلاق نہیں دی جاسکتی۔'' (۷)

''ایسے نہیں چلے گا۔ مجھے فارغ کر دیں۔ کہنے لگے ہمارے خاندان کی ریت نہیں کہ حسبی نسبی بیویاں طلاق لیں ایسے ہی گزارا کرنا پڑے گا۔'' (۸)

عورت کے حقوق کا استحصال اور کیا ہو گا عورت جو پاکستان کی آبادی کا نصف ہیں۔ اب سے کچھ عرصے پہلے تک بیشتر علاقوں میں اور اب بھی کئی دیہات میں عورت کو ووٹ دینے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا نہ ووٹ عورتوں سے مانگے جاتے تھے اور نہ ہی ان کو اجازت دی جاتی تھی کہ وہ پولنگ اسٹیشن پر جا کر اپنا حق رائے دہی استعمال کریں۔ گویا سیاسی عمل میں شراکت داری عورتوں کے لیے ممنوع نہیں تو معیوب ضرور ہے۔

''عورت کا وجود الیکشن میں کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ اس دور میں انھیں حقوق رائے دہندگی سوائے ان چند ایک کے جو انفرادی حیثیت سے مالکان اراضی تھیں حاصل نہیں تھے۔''(۹)

دیہی معیشت کی بنیاد خاندان کے اندر شراکت عمل پر ہے۔ اس میں عورت ابتدا سے ہی مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی آرہی ہیں۔ گھریلو اُمور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ مردوں کے ساتھ فصلوں کی کٹائی میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن اس کی کوئی اہمیت ہے اور نہ کوئی اوقات۔ حتیٰ کہ زندگی کے اہم معاملات میں بھی اُس کے مشورے کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ جانوروں کے لیے چارا کاٹنا، دودھ دھونا، چرخہ کاتنا، تندور پر روٹیاں لگانا، کھیتوں پر کھانا لے کر جانا، پانی بھرنا، فصلوں کی کٹائی میں حصہ لینا، غرض کہ ہر کام بطریق احسن انجام دیتی ہیں لیکن نہ تو گھر میں نہ ہی دیہی معاشرے میں وہ مقام دیا جاتا ہے جس کی وہ اصل حق دار ہے۔

''واہ چوہدری! ایک کسان بولا، ''اپنی عورتیں کھیت میں بچہ جن کر کماد کی چھلائی کرنے لگتی ہیں۔'' (۱۰)

''وہ گھر کی چکی پر ایک ہی نشست میں کئی کئی سیر گندم پیس ڈالتی تھی۔ بڑی سے بڑی بھینس کا دودھ دھو لیتی تھی بلکہ کرموں ہل چلا کر واپس آتا تھا تو وہ بیلوں کی جوڑی کو خود سنبھالتی تھی۔ جب وہ پانی ڈھونے پر آتی تو دو گھڑے سر پر اور ایک گھڑا بغل میں اٹھا لیتی اور ایک

ہی پھیرے میں سارے دن کا پانی بھر لیتی۔'' (۱۱)

''سویرے ڈھور ڈنگر کو پٹھا وتھا کون کرے؟ روٹی پکا کر دو پہر کو کھیت میں مجھے بھتا کون پہنچائے، چاٹی میں دودھ بلو کر مکھن کون نکالے، اس نے ٹھنڈی سانس بھری وہ کپڑے لتے دھوتی تھی۔ صفائی اور جھاڑ پونچھ کرتی تھی۔ فیر یہ بھی تو ہے جی خریف کی فصل پر پھٹی چنتی۔ چوگی میں جو روئی ملتی اس کا چرخے پر سوت کاتتی تھی۔ چولہا جلانے کے لیے جھنگرے لکڑیاں اور کماد کی کھوری چن کر لاتی تھی۔'' (۱۲)

دیہات کی عام عورت میں پردے کی رواج آج سے کچھ عرصے پہلے تک بالکل نہیں تھا کیونکہ عورتوں نے فصلوں میں بھی کام کرنا ہوتا تھا اور معمولات زندگی کے لیے بھی بار بار گھر سے باہر نکلنا پڑتا تھا۔ پردہ وہ خواتین کرتی تھیں جو گھر سے باہر نکل کر کام نہیں کرتی تھیں جیسے گاؤں کی سیدانی یا زمیندارنیاں۔ لہٰذا جب وہ گھر سے باہر نکلتی تھیں تو ان کے لیے خصوصی پردے کا اہتمام کیا جاتا تھا اور ساتھ ہی وہ خود بھی اپنے آپ کو بڑی سے چادر میں لپیٹ کر نکلتی تھیں۔ دورِ حاضر میں جہاں معمولات زندگی میں کئی آسانیاں آگئی ہیں تو خواتین پر کام کا بوجھ نسبتاً کم ہوگیا ہے۔ دوسرا اب کسی حد تک تعلیم کا شعور بھی دیہی زندگی میں آچکا ہے لہٰذا لوگ اب بچیوں کی تعلیم پر بھی توجہ دیتے ہیں اور خواتین اُس طرح باہر کے کام کاج نہیں کرواتیں جیسا کہ آج سے کچھ عرصہ قبل تک رواج موجود تھا۔

''ہمارے گاؤں میں ابھی تک برقعے کا رواج نہیں ہوا تھا حتیٰ کہ چوہدری کے گھر کی عورتیں بھی برقعہ نہیں پہنتی تھیں۔'' (۱۳)

''مزارعوں اور کمیوں کی کڑیوں اور گھر والیوں کی عزت اور آبرو ہوتی ہی کب ہے؟ عزت شجت تو زمین دارنیوں کے پاس ہوتی ہے وہ تو اپنے شریکوں کے سامنے بھی اوڑھنی کی بکل مار کر منہ چھپا کر بیٹھتی ہیں تانگے اور موٹر میں سوار ہو کر کہیں جاتی ہیں تو چاروں طرف چدر باندھ دی جاتی ہے۔'' (۱۴)

اردو ناول میں کئی جگہ کم تر مراتب کی عورتوں پر جاگیرداروں اور زمینداروں کے مظالم کا ذکر بھی موجود ہے۔ خاص طور پر عورت اگر اس کے مزارع یا کمی بہو، بیٹی ہوتی تو اس کی عزت سے کھیلنا ایک عام سی بات ہوتی۔

''نہیں جی وہ کنجری شنخبری نہیں تھی۔ بہت نیک بندی تھی۔ لالی نے تیکھے لہجے میں کہا برا تو وہ زمیندار تھا جس کی حویلی میں ویاہ سے پہلے میری ماں کام کاج کرتی تھی۔ غریب کمی تھی۔ زمیندار نے اسے خراب کردیا۔'' (۱۵)

افسوس کی بات یہ ہے کہ زمیندار عورت سے ناجائز تعلقات تو رکھنا پسند کرتا ہے لیکن اس کو گھر کی

عزت کبھی نہیں بنا تا کیونکہ عزت اور مرتبہ وہ صرف اپنی حسبی نسبی بیوی کو دیتا ہے اور باقی عورتیں صرف اس کی جسمانی تسکین کا ذریعہ ہوتی ہیں۔

''میں نے اس کا کوئی زندگی بھر کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ وہ ٹھٹھا مار کر ہنسا۔ ایسا ٹھیکہ تو میں نے صرف اپنی ذال کا لیا ہے۔ اسے ویاہ کر لایا ہوں اس سے تو میری آگے نسل چلے گی۔'' (۱۶)

عورت کے ساتھ اس سے بڑھ کر زیادتی اور ظلم کیا ہوگا کہ زمیندار اپنے کمی اور مزارع کو قابو میں رکھنے کے لیے اس کی بیوی یا بہن کو اغوا کر لیتا ہے یا اگر کوئی مزارع سر اٹھانے کی کوشش کرے یا اپنا جائز حق ہی حاصل کرنے کے لیے آواز بلند کرے تو ان کی بہو بیٹیوں کو صرف اس لیے اغوا کر لیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے حق کے لیے دوبارہ سر اُٹھانے کی جرأت نہ کر سکے۔

''کوئی کشتے اور انجیکشن آزمانے کے لیے مزارعوں اور کمیوں کی گھر والیاں اور کڑیاں اٹھواتا ہے۔ کوئی انھیں صرف ڈرانے دھمکانے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ چوہدری تو یہ بات نہیں سمجھ سکتا۔ مزارع یا کمی کی گھر والی کا جوان اور خوبصورت ہونا اس کی بدنصیبی بھی ہوتی ہے۔'' (۱۷)

''مزارعوں اور کمیوں کی جوان گھر والیوں اور کڑیوں کو اٹھوا کر اپنی رکھیل بنانے کا چسکا ہے۔ پوچھو تو کہیں گے ایسا کیے بنا زمینداری نہیں چل سکتی۔ مزارعوں اور کمیوں پر زمین داروں کا رعب اور دبدبہ نہیں بیٹھ سکتا ایسا نہ کیا جائے تو وہ سر اُونچا کر کے چلیں گے۔ بدمعاشی اور سرکشی کریں گے۔ (۱۸)

اور اس مقصد کے لیے بعض زمینداروں نے اپنی ذاتی جیلیں بھی بنا رکھی تھیں۔ آج سے کچھ عرصے پہلے تک تو یہ رواج بہت زیادہ تھا لیکن جونہی لوگوں میں شعور آتا گیا اور خاص طور پر الیکٹرونک میڈیا کی وجہ سے کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہتی تو اب یہ سلسلہ کافی حد تک کم ہے لیکن اگر یہ کہیں کہ اس پر مکمل طور پر قابو پایا جا چکا ہے تو یہ بات درست نہیں ہے۔ عورت پر تشدد، زنا بالجبر کے واقعات اب بھی موجود ہیں البتہ جیلوں اور قید خانوں کا سلسلہ اب اس طرح سے موجود نہیں ہے جیسا کہ آج سے چند سال بیشتر موجود تھا۔ جانگلوس میں شوکت صدیقی نے بہت تفصیل کے ساتھ اس ظلم کی عکاسی کی ہے۔

''ادھر کا وڈا زمین دار ہے بلکہ بہت وڈا جاگیر دار ہے۔ اس کی حویلی نہیں وڈا کوٹ ہے۔ ایسی اونچی اونچی دیواریں ہیں کہ پرانے زمانے کی کسی قلعے کی فصیلیں لگتی ہیں۔ ان فصیلوں کے پیچھے بہت سی کوٹھڑیاں ہیں ہر زنانی کو اٹھوانے کے بعد انہی کوٹھڑیوں میں سے کسی میں رکھا جاتا ہے۔'' (۱۹)

''مزارعوں اور کمیوں کی لڑکیوں اور بیویوں کے بارے میں ان کا رویہ اپنے باپ سے مختلف

نہ تھا۔احسان شاہ جن عورتوں کو اٹھوا کر کوٹ میں قید رکھتا وہ اس کے تصرف میں بھی رہتیں اور اس کے نوجوان بیٹوں کے شبستانوں کی بھی زینت بنتیں۔''(۲۰)

اور اگر کوئی مزارع اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرتا تو اسے کچھ اس قسم کی صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا جس کی عکاسی جانگلوس میں شوکت صدیقی نے کچھ اس طرح کی ہے۔

''میں پوری طرح جوان بھی نہ ہوا تھا کہ پنڈ کی ایک چھوہری پر دل آگیا میں نے اسے اٹھا کر زبردستی گھوڑی پر لادا اور حویلی میں لے آیا............وہ کمہاروں کی چھوہری تھی۔ وہ اکٹھے ہو کر پیچھے پیچھے آئے بہت رولا گولا کیا۔ اسی دیوان خانے میں میرے پیئو کے سامنے کلام پیش ہوا۔ میں بہت ڈرا۔ میرا پیئو بہت رعب والا زمین دار تھا۔ کمہاروں کی شکایات سنتے بھڑک اٹھا۔ سب کو الٹا لٹکا کر جوتے لگوائے اسی روز ان کی کئی کڑیاں اور جوان زنانیاں اٹھوالیں۔ کئی روز سب کو جیل میں بند کیا۔ اس کی اپنی جیل ہوتی تھی۔ اسی حویلی میں ایک تہہ خانہ ہے۔ پہلے وہ جیل کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ جو مزارع یا کمی سرکشی یا نافرمانی کرتا اس میں ڈال دیا جاتا۔(۲۱)

ایک عام دیہی عورت تو ذہنی و جسمانی اذیت کا شکار ہے ہی اس کے ساتھ ساتھ جاگیردار اور زمیندار کے گھر میں رہنے والی عورت اس اذیت سے الگ ہو کر زندگی بسر نہیں کر رہی۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کی پریشانیاں اور مشکلات کی نوعیت ایک عام عورت سے مختلف ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی زندگی میں مختلف آزمائشوں اور امتحانات سے گزرتی ہے لیکن صبر کرنے پر مجبور ہے۔ جاگیردار کئی غیر اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ شراب پینا، غیر عورتوں سے غلط تعلقات استوار کرنا، ہم جنس پرستی، جوا کھیلنا وغیرہ یہ تو عام مشاغل ہیں۔ اگرچہ خاندانی وقار اور عزت تو پہلی بیوی کو ہی حاصل ہوتا ہے لیکن مرد کا ایک سے زیادہ شادیاں کرنا خاندانی شان و شوکت کی علامت سمجھا جاتا ہے بلکہ بعض خاندانوں میں تو رواج ہے کہ پہلی بیوی جب زیادہ عمر کو پہنچ جاتی ہے تو وہ اپنے خاوند کی خوشی کے لیے نوعمر لڑکی جو ابھی بالغ بھی نہیں ہوتی تیار کرتی ہے، اس کی خدمت خاطر کرتی ہے اور بالغ ہونے پر بصد خوشی و رضا خاوند کو پیش کرتی ہے۔

''بس اس لمحے کے بعد اس کی محبت اپنی بھابھی کے لیے اچانک ختم ہو گئی تھی کیونکہ وہ ایک adolescence سے بھی کم عمر کو پہنچی ہوئی لڑکی کا اپنے خضاب سے سیاہ کیے ہوئے بالوں کے شوہر کے لیے پالن پوش کر رہی تھی۔ یہ کام وہ بطور ایک خوش گوار فریضے کے سرانجام دے رہی تھی اور ممکن ہے کہ اس میں کوئی غیر فطری لطف بھی ہو اور وہ لڑکی خطرے سے ناآگاہ اس کے ہاتھوں میں پل رہی تھی۔''(۲۲)

مشرقی عورت کا ظرف اور حوصلہ دیکھیں کہ نہ صرف اپنی ہونے والی سوتن کو خود پالتی پوستی ہے، تیار

کرتی ہے بلکہ اس کے بالغ ہونے کے عرصے میں بھی خاوند کی عیاشی کا پورا اہتمام کرتی ہے۔ اب چاہے مرد تعلقات کسی غیر عورت سے رکھے یا مرد سے وہ اسی خوش دلی سے یا مجبوری سے اس کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی۔

''مشرق میں ویسے بھی گھروں کی عورتوں کا ایسے معاملوں کو نظر انداز کرنے کا ظرف بڑا گہرا ہوتا ہے۔ حرمت نہ صرف شوہر کی اس زندگی کو نظر انداز کر سکتی تھی بلکہ اغماض سے بھی کام لیتی تھی مہمان کبوتری ہو یا کوئی بگڑا ہوا لڑکا جس کی مسیں بھیگ رہی ہوں سب ہی کے لیے کھانا اندر سے اہتمام سے لگ کر جاتا تھا اور یہ مہمان داری حرمت کی رضا سے ہوتی تھی۔'' (۲۳)

''ستم بالائے ستم اس خاندان کی عورتیں بھی اپنے مردوں کے ان کرتوتوں کو بدکاری کے زمرے میں شمار نہیں کرتیں مونث غلام نسل کے ساتھ مردوں کے جنسی تعلقات کو جائز تسلیم کیے بیٹھی ہیں۔'' (۲۴)

حقیقت تو یہ ہے کہ زمیندار گھرانے میں جب عورت کا بیاہ کیا جاتا ہے تو ساتھ ہی مردوں کی تمام غیر اخلاقی حرکات کی تفصیل بتانے کے ساتھ ساتھ ان کو صبر کرنے اور دل بڑا کرنے کی نصیحت کی جاتی ہے۔ اس خوش خبری کے ساتھ کہ جائیداد کی اصل وارث وہ اور اس کی آئندہ آنے والی نسل ہوگی۔ اس طرح کی کئی عورتیں آتی اور جاتی ہیں۔ لہٰذا ان کے آنے پر لڑنے جھگڑنے یا دل بُرا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ عورتیں جاگیردار مرد کے لیے کھلونے کی حیثیت رکھتی ہیں جب دل بھر گیا تو پھینک دیا۔

''ہر خاندان کے بیشتر مردوں کے خاندانی ہونے کا لازمی تقاضا ہوا کرتا تھا کہ اپنی حسبی نسبی بیویوں کو آبائی حویلیوں میں عمر بھر قید رکھ کر صرف وارث پیدا کرتے رہیں مگر ملک کے بڑے بڑے شہروں میں رکھیلیں ضرور ہوں۔'' (۲۵)

''خاندان کی بڑی بوڑھیاں لڑکیوں کو یہی سبق پڑھاتی آئی ہیں کہ اگر جاگیردارنی بن کے رہنا ہے تو دل بڑا کرنا ہوگا۔'' (۲۶)

''بڑی بوڑھیوں کا وضع کردہ قاعدہ کہ کامیاب جاگیردارنی بن کر رہنا ہے تو دل بڑا کرنا ہوگا۔ شوہر کی لغزشوں سے چشم پوشی اختیار کرنا ہوگی۔'' (۲۷)

حقیقت یہ ہے کہ عورت چاہے وہ دیہات کی ہو یا شہر کی زمیندار کے گھر ہو یا عام کسان کے اس کے حقوق کا استحصال اِسی طرح سے کیا جا رہا ہے، جیسے ماضی میں کیا جاتا تھا۔ ظلم و ستم اور جبر و استبداد کی نوعیت ضرور بدل گئی ہے لیکن وہ اب بھی اتنی ہی مجبور ہے جتنی ماضی میں تھی۔

اردو ناول کے مجموعی منظر نامے پر نظر ڈالی جائے تو اس میں پنجاب کی دیہی معاشرت کی عکاسی

جہاں بھی ہوئی ہے وہاں عورت ایک کمزور اور مظلوم مخلوق کے طور پر سامنے آئی ہے۔عورتوں کے مسائل اور سماجی خستہ حالی کا تذکرہ بار بار ہوا۔ایسا لگتا ہے کہ جاگیردارانہ معاشرت اور جاگیردار اور زمیندار کی تنقیص میں عورت کے مثبت کردار کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا۔لیکن اس سے اتنا ہوا کہ اردو ناول عورت کی مظلومیت کا عکاس اور اس کے حقوق کے لیے اٹھنے والی ایک ایسی آواز بن گیا جو اور کچھ نہیں تو سماجی شعور کی بیداری میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

☆☆☆☆

حوالہ و حواشی

۱۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۷
۲۔ محمد الیاس، بارش (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص ۸۷
۳۔ شبیر حسین، سید، جھوک سیال (لاہور: شیخ غلام اینڈ سنز، س ن)، ص ۳۰۰، ۲۹۹
۴۔ ایضاً، ص ۳۱۵
۵۔ صدیق سالک، پریشر ککر (لاہور: الفیصل ۲۰۱۳ء)، ص ۲۴
۶۔ محمد الیاس، پروا (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۴۴
۷۔ محمد الیاس، بارش، ص ۳۷۴
۸۔ ایضاً، ص ۵۹
۹۔ شبیر حسین، سید، جھوک سیال، ص ۲۱۱
۱۰۔ عبداللہ حسین، نادار لوگ (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز ۲۰۱۳ء)، ص ۱۱۷
۱۱۔ صدیق سالک، پریشر ککر، ص ۱۲
۱۲۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، جلد اول، (لاہور: رکتاب ۲۰۰۹ء)، ص ۱۹، ۲۰
۱۳۔ غلام ثقلین نقوی، میرا گاؤں (لاہور: ابلاغ پبلیشرز ۲۰۰۴ء)، ص ۲۳۴
۱۴۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، جلد اول، ص ۱۴۱
۱۵۔ ایضاً، ص ۲۰۱
۱۶۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، جلد سوم (لاہور: رکتاب ۲۰۱۰ء)، ص ۵۱
۱۷۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، جلد دوم (لاہور: رکتاب ۲۰۱۰ء)، ص ۲۵
۱۸۔ ایضاً، ص ۲۳

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۳

۲۰۔ ایضاً، ص ۳۶۰

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۳۵

۲۲۔ حسن منظر، دھنی بخش کے بیٹے (کراچی: شہرزاد ۲۰۰۸ء)، ص ۴۰

۲۳۔ ایضاً، ص ۶۹

۲۴۔ محمد الیاس، بارش، ص ۱۳۴

۲۵۔ ایضاً، ص ۳۶۹

۲۶۔ ایضاً، ص ۳۴۰

۲۷۔ ایضاً، ص ۶۶۸